ازقلم: محمد مدثر (متعلم دورۂ حدیث شریف، الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذریتِ طیبہ

ماہِ ''ربیع الاول''، وہ مبارک اور مقدس مہینہ ہے، جسے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ نہایت ہی خصوصیت کا تعلق ہے، آپ کی ولادت باسعادت، ہجرتِ مدینہ اور وفاتِ مبارکہ اور ان جیسے اور عظیم واقعات اسی ماہ میں پیش آئے؛ اسی خاص تعلق کی بنا پر اس مبارک ماہ میں آپ کی سیرت وحیاتِ مبارکہ سے تعلق رکھنے والے بعض ان امور کو بیان کیا جاتا ہے، جن کی رہنمائی میں صحیح زندگی گزارنے کے لیے مدد و معاون خطوط متعین کیے جاتے ہیں، اسی طرح بعض ان مبارک ہستیوں کی بھی یاد تازہ کی جاتی ہے، جنھوں نے آپ علیہ السلام کے ساتھ وہ قیمتی لمحات گزارے، جن کے بعد تا قیامت کسی کو میسر نہ آئے اور وہ آپ کی خاطر دامے درمے سخنے خرچ کیے، جانیں قربان کردیں اور ان کی زندگیاں ذاتِ نبوی سے قلبی و روحانی، ایمانی و دینی تعلق کی تقویت حاصل کرنے میں صرف ہوئیں اور وہ اسی ماحول کی گھنیری چھاؤں میں پروان چڑھیں۔

اسی مؤخر الذکر غرض کے پیشِ نظر درج ذیل سطور میں نبی آخر الزمان کی اولادِ مبارکہ کا ذکر کیا جاتا ہے، کہ جنھیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ نہ صرف ایمانی وروحانی تعلق نصیب ہوا؛ بل کہ اللہ نے انھیں آپ کے ساتھ بدنی وجسمانی تعلق بھی عنایت فرمایا اور آپ کے جسدِ مبارک و حیاتِ مبارکہ کا ایک گراں قدر حصہ بنایا۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی کل اولاد، راجح قول کے مطابق سات (۷) بیان کی جاتی ہے۔ (المواہب اللدنیۃ: ۵۹/۲) جن میں سے چھ (دولڑکے، چارلڑکیاں) ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا سے اور ایک صاحب زادے حضرت ابراہیم، آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ جہاں تک لڑکوں کا تعلق ہے، تو ان کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ ان سب کا انتقال صغرسنی ہی میں ہوا؛ اس لیے ان کے تعلق سے مختصر بیان کیا جاتا ہے۔ رہی بات صاحب زادیوں کی، تو وہ بڑی ہوئیں، اسلام لائیں، ہجرت بھی کیں اور نبی علیہ السلام نے ان کی شادیاں بھی کرائیں اور ان کی اولاد بھی ہوئی۔ اس لیے ہم سب سے پہلے لڑکوں کے تعلق سے مختصراً کچھ معلومات پیش کریں گے، پھر صاحب زادیوں کا قدرے تفصیل ذکر کریں گے۔

حضرت قاسم: آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے، ایک مشہور تاریخی روایت کے مطابق آپ علیہ السلام کی ازدواجی زندگی کے پانچ سال بعد بعثتِ نبوی سے پیشتر ہی پیدا ہوئے۔ (معارف الحدیث: ۴۵۱/۸) اور آپ علیہ السلام نے ان ہی کے نام پر اپنی کنیت ''ابوالقاسم'' رکھی تھی، حضرت قاسم کی وفات کس عمر ہوئی؟ مؤرخین کا اس میں خاصا اختلاف رہا ہے: ایک قول کے مطابق آپ سن تمیز کو پہنچے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کے پیر چلنے لگے تھے؛ مگر راجح

قول یہ ہے کہ ابھی مدت رضاعت ختم نہیں ہوئی تھی کہ تقریباً دو، ڈھائی سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ (اصابہ:۵/۲۷۰، المواہب:۲/۶۰) چوں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ پہلے لڑکے تھے؛ اس لیے ان کے انتقال پر زیادہ غم وحزن کا ہونا طبعی امر تھا۔

حضرت عبد اللہ: آپ نبی علیہ السلام کے دوسرے صاحب زادے ہیں، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں اور ترتیب کے لحاظ سے تمام صاحب صاحب زادیوں کے بعد چھٹے نمبر پر ہیں، آپ بعثتِ نبوت کے بعد پیدا ہوئے ؛ اسی لیے آپ کو ''طیب'' اور ''طاہر'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ ''طیب و طاہر'' مستقل اولاد ہیں، لقب نہیں ؛ لیکن یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ زیادہ تر مؤرخین کی تحقیق یہی ہے کہ یہ القاب تھے، علم نہیں۔ (زاد المعاد:۱/۱۰۳، سیرۃ المصطفیٰ:۳/۲۶۴، امہات المؤمنین:۱۱۸) انھوں نے بھی کم ہی عمر پائی تھی اور شیر خوارگی کے زمانے ہی میں فوت ہوگئے۔

حضرت ابراہیم: آپ اللہ کے نبی کے آخری صاحب زادے ہیں، جو مدینے میں ''شاہ مقوقس'' کی ہدیہ کی ہوئی باندی حضرت ماریہ قبطیہ سے ماہ ذی الحجہ/ ۸ھ میں پیدا ہوئے، اللہ کے نبی آپ سے انتہائی محبت کرتے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ اس ولادت کی خبر دینے والے صحابی ابو رافع رضی اللہ عنہ کو آپ نے ایک غلام ہدیے میں دے دیا، ساتویں دن عقیقہ فرمایا، دو مینڈھے ذبح کرائے، سر کے بال منڈوا کر بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کیا اور بال زمین میں دفن کرا کر نام ''ابراہیم'' رکھا اور عوالی میں دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔ (المواہب:۶۹،۶۸) اور حضرت ماریہ سے ویسا ہی سلوک فرمایا، جیسے ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کا سلوک تھا۔

جب حضرت ابراہیم کی حیاتِ مستعار، جو کل چھ ماہ یا پندرہ، سولہ ماہ تھی، ختم ہوئی اور وہ عالمِ جاودانی کی جانب کوچ فرما گئے، تو آپ انتہائی ملول خاطر ہوئے، آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! آپ بھی روتے اور غم گسار ہوتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ابن عوف! یہ رحمت ہے۔ آنکھیں تو اشکبار ہیں، دل حزن وملال کی آماج گاہ بنا ہوا ہے؛ مگر اب بھی ہم وہی کہیں گے، جو اللہ کی مرضی ہے۔ پھر فرمایا: ''و إنا بفراقک یا إبراهيم! لمحزونون.'' (بخاری:۱۳۰۳) آپ کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا تھا اور اتفاق سے اسی دن سورج گرہن ہوا، عرب یہ سمجھے کہ آپ کے بیٹے کی وفات کی وجہ سے اور آپ کو پہنچے انتہائی عظیم صدمے کے باعث ایسا ہوا ہے، یہ سن کر آپ نے سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ کسی کی موت وحیات سے کسوف وخسوف کا کوئی تعلق نہیں؛ وہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

(بخاری:۱۰۴۲)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا: آپ نبی علیہ السلام کی تمام صاحب زادیوں میں سب سے بڑی ہیں اور ترتیبِ ولادت کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر بعثت کے تقریباً دس سال پہلے تولد ہوئیں۔ بعثت کے بعد اپنی والدہ حضرت خدیجہ کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو کر اس کے اولین معماروں میں اپنا نام درج کروالیا۔

جب نکاح کی عمر کو پہنچیں، تو آپ نے حضرت ہالہ بنتِ خویلد کے صاحب زادے حضرت ابو العاص بن ربیع سے، جو کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی بھی ہوتے تھے،

نکاح کروایا۔ حضرت ابوالعاص بڑے ہی سلیم الطبع اور شریف آدمی تھے؛ لیکن اسلام بہت ہی تاخیر سے (محرم/۷ھ) میں قبول کیے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے سے غیر معمولی محبت اور تعلق تھا اور یہی اخیر عمر تک برقرار رہا۔ حضرت زینب بڑی خوش مزاج تھیں، طبیعت میں نفاست حد درجہ تھی، عمدہ لباس کا بھی ذوق رکھتی تھیں، کبھی کبھی ریشمی چادر، زرد دھاریوں والی استعمال فرماتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی، تو اپنے اہلِ خانہ کو ساتھ نہ لے جا سکے تھے اور ان ہی میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی رہ گئی تھیں، مدینہ پہنچنے کے بعد جب جنگِ بدر ہوئی، تو مسلمانوں کے مقابلے میں حضرت ابوالعاص بھی آئے؛ مگر دامِ قید میں گرفتار ہوگئے، جب فدیے کا فیصلہ ہوا؛ تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنا وہ ہار فدیے میں دے بھیجا، جسے آپ کی والدہ نے نکاح کے موقعے پر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر اللہ کے نبی آب دیدہ ہوگئے اور صحابہ کی اجازت سے ہار سمیت ان کو اس شرط پر رہا کردیا کہ وہ پہنچتے ہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ روانہ کردیں گے۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور اپنے بھائی ''کنانہ'' کے ہم راہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر بٹھا کر مدینہ روانہ کردیا۔ یہ دونوں ابھی مقامِ ''ذی طویٰ'' کو پہنچے تھے کہ اہلِ مکہ نے انھیں آ گھیرا اور حد یہ ہے کہ ہبار بن اسود (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے ایک نیزہ مارا؛ جس کی وجہ سے اللہ کے نبی کی یہ لختِ جگر اونٹ سے سیدھے نیچے آگریں اور ان کا حمل ساقط ہوگیا۔ کنانہ وہیں تلوار لے کھڑے ہوئے اور انھیں للکارا؛ لیکن عین اسی وقت سردارِ مکہ ابوسفیان آئے اور معاملے کو رفع دفع کیا اور کنانہ سے کہا کہ جنگِ بدر میں اہلِ مکہ کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ تم سے مخفی نہیں ہے اور اس طرح علی الاعلان زینب کو مدینہ لے جاؤ گے، تو ہماری ذلت و رسوائی میں کیا کسر باقی رہ جائے گی؛ اس لیے جب معاملہ ٹھنڈا ہوجائے، تو چپکے سے انھیں لے چلے جانا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

اللہ کے نبی نے مقامِ ''بطنِ یاجج'' تک حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی کو روانہ کردیا تھا اور یہاں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا مصائب و تکالیف کی اس کانٹے دار وادی سے گزر کر ہجرت جیسی عظیم دولت سے شرف یاب ہوئیں۔

اُدھر ابوالعاص کفر و شرک پر باقی رہے اور تقریباً ۶ھ کے اخیر میں قریش کے ایک کاروانِ تجارت کے ساتھ ملکِ شام سے مکہ واپس ہو رہے تھے کہ مسلمان، اہلِ مکہ پر رعب داب بٹھانے کے لیے اس قافلے کو گرفتار کرکے مدینہ لے آئے، ابو العاص قیدیوں سے نکل کر سیدھے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر پوری صورتِ حال سامنے رکھی اور امان کے طالب بنے، تو انھوں نے بہ آوازِ بلند اعلان کردیا کہ میں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے، یہ سن کر اللہ کے نبی نے فرمایا کہ زینب نے جنھیں پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ پھر صحابہ کی اجازت سے ان کا مال واپس کردیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی سفارش سے انھیں رہا بھی کردیا گیا۔ وہ سیدھے مکہ گئے اور امانت کا مال واپس کیا، پھر ہجرت کرکے (محرم/۷ھ) میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اللہ کے نبی نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نئے مہر اور نئے نکاح کے ساتھ حضرت ابوالعاص کی قیام گاہ کی طرف رخصت کردیا۔ (ترمذی:۱۱۴۴) اس طرح یہ دونوں آپس میں خوشگوار زندگی گزارنے لگے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کو بے حد عزیز رکھنے لگیں۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے یہاں حضرت زینب کے بطن سے دو اولاد ہوئی: ایک لڑکا جس کا نام ''علی'' رکھا گیا اور یہ

قول بعض فتح مکہ کے موقعے پر آپ کے ردیف تھے اور جنگ یرموک میں شہید ہوئے؛ لیکن مشہور قول یہی کہ سن تمیز کو پہنچ کر نبی علیہ السلام اور اپنے والد ابو العاص ہی کی حیات میں انتقال کر گئے (سیر الصحابۃ:۱۰/۹۷) اور ایک لڑکی ''امامہ'' بھی تھی، اللہ کے نبی کو یہ نواسی بڑی پیاری تھی۔ صحیحین کی روایت کے مطابق کبھی کبھی آپ کی یہ نواسی حالتِ نماز میں شانۂ اقدس پر سوار ہو جاتی تھی، آپ جب رکوع سجدہ کرتے؛ تو اتار دیتے تھے اور پھر جب قیام کرتے تو بٹھا لیتے تھے اور آپ کو یہ عمل کبھی ناگوار نہیں ہوتا تھا۔ (بخاری:۵۱۲، مسلم:۵۴۳) بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح ان سے ہوا؛ پھر آپ عدت کے بعد حضرت مغیرہ بن نوفل نے نکاح کر لیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا چوں کہ تمام صاحب زادیوں میں بڑی تھیں؛ اس لیے اللہ کے نبی کی خدمت کا موقعہ بھی انھیں زیادہ نصیب ہوا اور نبی علیہ السلام بھی ان سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے۔ چناں چہ نبی علیہ السلام جب ان کے ہجرت کے وقت اسلام کی خاطر پہنچی غیر معمولی تکلیف پر مطلع ہوئے، تو آپ نے فرمایا: ''هي أفضل بناتي أصيبت في''. (شرح المواهب للزرقاني: ۴/۳۱۸) اسی انتہائی محبت کی بنا پر جب مدینے میں سن ۸ھ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، تو غسالہ کو حکم دیا کہ طاق مرتبہ غسل دے کر کافور یا خوشبودار چیز لگائے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ غسل سے فراغت کے بعد ہم نے آپ علیہ السلام کو مطلع کیا، تو آپ نے ایک ازار عنایت فرمائی اور پہنانے کی ہدایت کی۔ (البخاری:۱۲۵۷، مسلم:۱/۳۰۵) پھر جب نماز پڑھلی، تو آپ بہ نفس نفیس قبر میں اترے، اس وقت چہرے پر غم و ملال کے آثار نمایاں تھے، لیکن دفن کے بعد مسرور و شاداں باہر آئے؛ وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میں نے قبر کی تنگی اور اس کے غم سے حفاظت کی دعا فرمائی تو دعا شرفِ قبول سے باریاب ہو گئی۔

(اسد الغابہ:۷/۱۳۲)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا: اہلِ تاریخ و سیر کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ سب سے پہلی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں؛ لیکن ان کے بعد ترتیبِ ولادت میں کافی اختلاف رہا، راجح قول کے مطابق حضرت رقیہ بہ لحاظِ ترتیب حضرت خدیجہ کے بطن سے ہوئی، دوسری صاحب زادی اور تیسری اولاد ہیں۔ (الاستیعاب:۳۷) آپ کی ولادت بعثت سے تقریباً سات برس پہلے ہوئی، بعثت کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئیں اور سابقین اولین میں شامل ہوئیں۔

نبی علیہ السلام نے بچپن ہی میں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا نکاح بعثتِ نبوی سے پہلے ہی ابولہب کے دو بیٹے: عتبہ اور عتیبہ سے کر دیا تھا اور ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی؛ پھر خلعتِ نبوت سے سرفرازی کے بعد جب آپ علیہ السلام نے خدائے وحدہ لاشریک کی دعوت دی اور ابولہب دشمنی پر آاترا؛ تو ﴿سُوْرَةُ الْمَسَدِ﴾ نازل ہوئی؛ پھر اسی عداوت میں آکر اس نے اپنے بیٹوں کو دھمکی دی کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے، تو میرے ساتھ تمھارا اُٹھنا بیٹھنا حرام سمجھو، اُنھوں نے باپ کے حکم کی تعمیل پر طلاق دے دیا؛ تو اللہ کے نبی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت رقیہ کا نکاح کروا دیا۔

یہ جوڑا آپس میں خوش معاملگی کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا اور عرب کا بڑا ہی حسین و جمیل جوڑا سمجھا جانے لگا۔ اللہ نے ظاہری حسن و جمال بھی عطا فرمایا تھا اور دینی و ایمانی حسن تو تھا ہی؛ حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خاندان کی عورتوں نے اس

جوڑے کی خوبیوں پر قصیدے بھی کہے تھے۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے "شرح مواہب" میں اس سلسلے کے چند اشعار درج فرمائے ہیں، جن میں اس جوڑے کے حسن و جمال کو بے حد سراہا گیا ہے۔

دوسری دفعہ جب حبشے کی ہجرت کا قیام تقریباً سات سال رہا، تو اسی دوران ایک لڑکا "عبداللہ" پیدا ہوا اور چھ سال کی کم سنی میں جاں بہ حق ہوا۔

الغرض آپ بڑی ہی جفاکش اور صابرہ تھیں، دین و ایمان کی خاطر دو دفعہ اپنے عزیز شوہر کے ساتھ ملکِ "حبشہ" ہجرت فرمائیں؛ پھر نبی کے حکم پر مکے آ کر از سر نو مدینہ منورہ کی ہجرت کا قصد فرمایا۔ اللہ کے نبی نے اس جوڑے کی ہجرت کی تشبیہ حضرت ابراہیم ولوط علیہما السلام کی ہجرت سے دی ہے۔ مدینہ آ کر اسلام پر مضبوطی و استحکام کے ساتھ جمی رہیں؛ حتی کہ جنگِ بدر کے موقعے پر رمضان/۲ھ میں آپ کے بدن پر چیچک کے دانے نکل آئے، جس کی وجہ سے شدید تکلیف میں مبتلا ہوئیں اور دیکھ ریکھ کے لیے آپ علیہ السلام حضرت عثمان کو وہیں مدینے میں ان کے پاس چھوڑ گئے؛ پھر یہ مرض بڑھتا گیا اور اس سے جاں بر نہ ہو سکیں اور اپنی بہن کے پاس خلدِ بریں کے مکینوں میں جا پہنچیں۔ جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، غزوۂ بدر کی فتح و کامرانی کا مژدہ لے کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مدینہ پہنچے؛ تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تدفین سے فارغ ہوئے آ رہے تھے۔ اللہ کے نبی کو جب اطلاع ملی، تو بے حد صدمہ ہوا اور سیدھے قبر کے پاس آئے، رنج و غم میں ڈوبے آنسوں رخسارِ مبارک سے سیدھے قبر پر گر رہے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اپنی بڑی بہن کی وفات پر حزن و ملال کی تصویر بنی رو رہی تھیں اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑے سے ان کے آنسو پونچھ رہے تھے۔ وفات کے وقت عمرِ مبارک صرف بیس سال تھی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اللہ کے نبی کی تیسری صاحب زادی اور ترتیب کے لحاظ سے چوتھی اولاد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ بعثتِ نبوی سے پہلے ہی پیدا ہوئیں اور اسلام کے آغوش میں ہوش سنبھالا۔ ان کی یہ کنیت ہی اصل نام ہے، دیگر کتبِ سیر و تاریخ میں اور کوئی نام نہیں ملتا۔ ہجرتِ مدینہ کے موقعے پر اللہ کے نبی نے حضرت زید بن حارثہ کو بھیج کر ام المؤمنین حضرت سودہ اور بیٹی فاطمہ اور آپ کو مدینہ بلوالیا تھا۔

پیچھے گزر چکا کہ آپ علیہ السلام نے ان کا نکاح دشمنِ اسلام ابو لہب کے بیٹے "عتیبہ" سے کر دیا تھا؛ لیکن جب طلاق ہو گئی اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی، تو ربیع الاول/۳ھ میں حضرت عثمان کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔ اس کی ترکیب یہ بنی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی اسی زمانے میں بیوہ ہو گئی تھیں، حضرت عمر نے ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما پر انھیں پیش کیا تھا؛ لیکن معاملہ حل نہیں ہوا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حزیں ہو کر نبی کے دربار میں شکایت پیش کی، آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیوں نہ ایسا ہو کہ تمہاری بیٹی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر ملے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تمھاری بیٹی سے بہتر بیوی ملے، یہ کہہ کر حضرت حفصہ کا نکاح خود سے اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔

الغرض آپ بڑی ہی نفیس الطبع تھیں اور لباس اعلیٰ درجے کا بہتر سے بہتر پسند کرتی تھیں اور چھ سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں رہی اور کوئی اولاد نہ ہوئی؛ پھر شعبان/۹ھ میں قدرت نے خلدِ بریں کا فیصلہ کر دیا۔ آپ

علیہ السلام نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور تکفین میں اپنا ایک تہبند عنایت فرمایا اور تدفین کے عمل میں خود شریک رہے۔ حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور ابوطلحہ انصاری قبر میں اترے اور آپ قبر پر اس حال میں بیٹھے تھے کہ آپ کی چشمہائے مبارک سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی۔ (بخاری: ۱۲۸۵، فتح الباری: ۲۰۲/۳) اور یہ تدفین بقیع کے قبرستان میں عمل پذیر ہوئی۔

حضرت فاطمۃ الزہراء: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے سب سے آخری صاحب زادی اور ترتیب کے لحاظ سے پانچویں اولاد ہیں۔ آپ کا نام ''فاطمہ'' اور لقب ''الزہراء'' اور ''البتُــــوْل'' تھا۔ ولادت کس سن میں ہوئی؟ مؤرخین و اہلِ سیر کا کافی اختلاف رہا ہے: بعض نے بعثتِ نبوی سے ایک سال قبل اور بعض نے تین اور بعض نے پانچ کا بھی ذکر کیا ہے؛ اگر نکاح کے وقت اٹھارہ سال کی عمر مان لیں ؛تو اس حساب سے بعثتِ نبوی سے تین برس پہلے ولادت متعین ہوجاتی ہے؛ لیکن اس میں اتفاق ہے کہ بعثتِ نبوی سے پہلے ہی آپ کی ولادتِ مبارکہ ہوچکی تھی۔ اللہ کے نبی کی بہت ہی پیاری اور چہیتی بیٹی تھیں؛ اسی لیے کہیں سفر پر جانا ہو، تو آپ سب سے اخیر میں اور واپسی کے وقت سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی سے ملاقات کرآتے۔

بڑی ہی نیک طینت، حیا وصفا کا پیکر، اخلاق حمیدہ سے متصف، فہم و فراست اور تفقہ میں لاجواب، نہایت ہی راست باز وراست گو، عظمت و وقار اور بہادری وشجاعت والی زہد وتقویٰ کے عظیم منازل پر فائز خاتون تھیں۔ سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہونے کے باوجود نہایت ہی جفاکشی وغربت میں زندگی گزارتی تھیں۔ آپ شکل و شباہت، چال ڈھال، بات چیت، لب ولہجہ، نشست وبرخاست، عادات واطوار؛ غرض ہر چیز میں اپنے والد بزرگوار کے مشابہ تھیں۔

جب ہجرتِ مدینہ کا موقعہ آیا، تو آپ ام المؤمنین سودہ و بہن ام کلثوم کے ساتھ زید بن حارثہ کے ہم راہ مدینہ منورہ تشریف لائیں، یہاں آنے کے بعد بدر کا عظیم واقعہ پیش آیا؛ تو آپ نکاح کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ حضرت ابوبکر وعمر یکے بعد دیگرے اللہ کے نبی سے آپ کی اس لختِ جگر کو اپنے دامنِ ازدواج میں لینا چاہا اور اللہ کے نبی سے عرض پرداز ہوئے؛ لیکن نبی علیہ السلام نے ہردو کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ میں وحیٔ الٰہی کا منتظر ہوں۔ پھر آپ علیہ السلام نے حسبِ حکمِ الٰہی حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمادیا۔

(الزرقانی بہ حوالہ معجم طبرانی: ۳۳۳/۴)

چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ہی کے تکفل میں تھے، تو آپ نے اپنی اس عزیز بیٹی کے لیے ضروری اشیا کا انتظام فرمایا اور مہر کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ، جو اُنھیں جنگ بدر میں مالِ غنیمت کے طور پر ملی تھی، عنایت فرمائی اور حارثہ بن نعمان کے پیش کردہ ایک گھر میں عروسی کی رسم ادا کی گئی۔ پھر یہ جوڑا نہایت ہی خوشی کے ساتھ تادمِ حیات زندگی گزارتا رہا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کو نہایت ہی عزیز رکھتی تھیں اور گھر کے سارے کام خود انجام دیتی تھیں؛ حتی کہ آٹا پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے آگئے تھے۔

حضور علیہ السلام کے پاس جب بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لاتیں، تو ان کی خاطر آپ کھڑے ہوجاتے اور ہاتھ چوم کر اپنے بیٹھنے کی جگہ انھیں بٹھاتے اور یہی معمول حضرت فاطمہ کا اپنے پیارے والد کے ساتھ رہا۔ (ابو داود: ۵۲۱۷، الترمذی: ۳۸۷۲) اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آپ نے

فرمایا: ’’فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے، جس نے اسے ناراض کیا؛تو گویا کہ اس نے مجھے ناراض کیا۔‘‘

(بخاری:۳۷۶۷) ایک روایت میں آپ نے حضرت فاطمہ کو دنیا کی ان چند مقدس ترین عورتوں میں شمار فرمایا،جنھیں آپ نے پورے عالم کی عورتوں کے لیے اسوہ ونمونہ قرار دیا تھا، آپ نے فرمایا:’’پورے عالم کی عورتوں کے لیے قابل تقلید و نمونہ ہونے کے لیے حضرت مریم بنت عمران،حضرت خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسیہ زوجۂ فرعون کافی ہیں۔‘‘

(ترمذی:۳۸۷۸)

حضرت فاطمہ کو بھی اپنے والد نامدار، رسالت مآب سے غایت درجہ محبت ؛ بل کہ عشق تھا، چناں چہ بیماری کی حالت میں جب آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی اور بیماری شدت اختیار کرتی ؛تو حضرت فاطمہ بے چین و مضطرب ہوجاتیں اور اسی حالت میں بے ساختہ زبان سے الفاظ نکلتے:’’وا کَرب أباہ!‘‘ ہائے!میرے ابوکی تکلیف!اس پر آپ نے فرمایا: آج کے بعد کبھی بے چینی وتکلیف میں مبتلا نہ ہوں گا۔اورآپ دنیا سے پردہ فرما گئے ۔حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آپ علیہ السلام کے بعد کبھی میں نے فاطمہ کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔حضرات صحابہ جب دفنا کر واپس ہوئے تو اسی غم وحزن والی کیفیت میں حضرت انس سے پوچھا کہ تم کس دل گردے سے اللہ کے رسول کے چہرے پر مٹی ڈال کر آئے ہو؟!!

(بخاری:۴۴۶۲)

چناں چہ اس کے بعد نہایت ہی رنجیدہ وغمگین حالت میں زندگی گزار کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال بالرفیق الاعلیٰ کے چھ ماہ بعد۳/ رمضان/ ۱۱ھ بہ روز شنبہ اس دارِفانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئیں اور اللہ کے نبی کی وہ پیشین گوئی کہ میرے بعد میرے خاندان والوں میں سب سے پہلے تم ہی ملوگی،حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ بہ اختلافِ روایات عمر مبارک انتقال کے وقت انتیس، چوبیس یا تیس برس تھی۔آپ علیہ السلام کی تمام اولاد آپ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں انتقال کرگئیں؛ لیکن یہی ایک تنہا ہیں، جن کا انتقال بعد میں ہوا۔

غسل کے متعلق یہ روایت منقول ہے کہ انتقال سے کچھ پہلے آپ نے غسل کے لیے پانی منگوایا،خوب اچھی طرح غسل کرکے نئے کپڑے زیب تن کیے؛ پھر بستر مکان کے وسط میں لگواکر قبلہ رو ہوکر لیٹیں اور ہدایت کیں کہ اب میرے موت کا وقت قریب آگیا ہے اور میں نے غسل بھی کرلیا ہے ؛ تاکہ انتقال کے بعد کوئی میرا جسم نہ کھولے۔حضرت علی تشریف لائے،تو ان کو واقعے کی اطلاع دی گئی اور حضرت فاطمہ کی ہدایات بھی سنائی گئیں،تو آپ نے اسی غسل کے ساتھ ان کو دفن کردیا۔(المواہب بہ حوالہ مسند احمد:۲/۶۶، الاصابہ:۸/۱۵۹) اورتدفین کا عمل رات میں پیش آیا۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی نے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس نے غسل دیا۔

(الزرقانی:۴/۳۳۸)

اسی طرح نمازِ جنازہ کے تعلق سے بھی مختلف روایات ہیں: ایک میں حضرت عباس، ایک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ (الاصابہ: ۸/۱۵۹) اور حضرت عروہ کی روایت میں خلیفۃ الرسول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھانے کا ذکر ملتا ہے؛مگر راجح یہی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس

رضی اللہ عنہ کو چچا ہونے کی حیثیت سے آگے بڑھایا تھا۔

(الزرقانی: ۳۳۹/۴)

اسی طرح نعش مبارک کو قبر تک لے جانے میں بھی عجلت سے کام لیا گیا اور پردے میں رکھ کر لے جایا گیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ کی طبیعت بڑی ہی باحیا تھی اور خود آپ کی وصیت تھی کہ ایسا ہی ہو، کہ جسم کی جسامت کسی کے سامنے ظاہر نہ ہو اور قبر میں اترنے والوں میں حضرت عباس، علی اور فضل بن عباس کے نام ملتے ہیں اور تدفین بقیع میں روبہ عمل ہوئی۔

آپ کی کل اولاد پانچ: تین بیٹے حضرت حسن، حسین اور محسن اور دو بیٹیاں: حضرت ام کلثوم اور زینب تھیں۔ حضرت محسن کی وفات تو بچپن ہی میں ہوگئی تھی؛ نیز ان تمام کی ولادت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی ہوگئی تھی۔

سوائے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ علیہ السلام کا سلسلۂ نسب کسی سے نہیں چلا اور ان میں بھی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا اور کوئی اولاد نہ ہوئی اور حضرت زینب سے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔

اسی نسبی وراثت کے علاوہ روایتِ حدیث کا میدان بھی آپ سے یکسر خالی نہیں۔ روایتِ حدیث کا سلسلہ گرچہ وفاتِ رسول کے بعد شروع ہوا اور اس کے بعد آپ کی زندگی نے کم ہی وفا کی؛ تاہم آپ سے روایت کرنے والوں میں حضرت علی، رضی اللہ عنہ حضرت حسن و حسین، ام المؤمنین عائشہ و ام سلمہ، حضرت سلمی، حضرت ابورافع اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔

(الاصابہ: ۱۵۷/۸)

بغداد سے متعلق ایک عجوبہ

بغداد جو صدیوں تک خلفا وملوک کا دارالسلطنت رہا، طبعی طور پر ضروری تھا کہ یہی ان بادشاہوں کی موت کی گھاٹی ہوتی، مگر اس کے عجائب میں سے یہ ہے کہ عظیم الشان دارالسلطنت میں کسی بادشاہ کو موت نہیں آئی، جتنے خلفا وملوک اس میں آباد رہے سب کی وفات یہاں سے نکلنے کے بعد دوسرے شہروں میں ہوئی۔ ابوجعفر منصور جو بانی ہے بغداد کا، اس کا انتقال سفرحج کے موقع پر ہوا اور مکہ معظمی میں دفن ہوا۔ خلیفہ مہدی نے ماسبذان میں انتقال کیا، خلیفہ ہادی عیسیٰ آباد میں، ہارون الرشید طوس میں، مامون الرشید بلادِ روم کے اندر۔ اسی طرح ان کی اولاد میں جس قدر بادشاہوئے سب کی وفات دوسرے شہروں میں ہوئی۔

(حیرت انگیز واقعات: ۱۲۱)